جہادِ مختارؑ

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

خاندانِ رسولؐ کی بیدردی کے ساتھ تباہی نے سچّے مسلمانوں کے دلوں میں جو گھاؤ ڈال دیا تھا وہ خاموشی کے ساتھ مندمل ہونے والا نہ تھا اور خدا (کی) طرف سے بھی ان ظالمین کو زیادہ مہلت ملنا سنت الٰہیہ کے خلاف تھی (تھا) چنانچہ اس کے آثار شہادت حسینؑ کے بعد دو ہی تین سال کے اندر رونما ہونے لگے اور کوششیں شروع ہوگئیں جن میں تاریخی حیثیت سے سب سے پہلے ''جماعت توابین'' کا نام آتا ہے۔

یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے شروع شروع حضرت امام حسینؑ سے کوفہ کی طرف تشریف لانے کی درخواست کی تھی اور رائے عامہ کو آپ کی موافقت وحمایت کے ہموار کرلیا تھا۔ مگر پھر بعد میں ان کے واقعات (توقعات) کے خلاف کوفہ میں انقلاب ہوگیا اور وہ حالات کے مقابلہ سے قاصر ہوکر ابن زیاد کی حکومت قائم ہوجانے کے بعد گوشوں میں مخفی ہوگئے، یہاں تک کہ حضرت امام حسینؑ کربلا پہنچے۔ اور وہاں شہید ہوگئے اور یہ کچھ حالات کی مجبوری سے اور کچھ قوت ارادی کی کمی سے آپ تک نہ پہنچ سکے مگر آپ کی شہادت کے حالات سن کر ان کے دل وضمیر میں چھپے ہوئے جذبات فداکاری ایک دم پوری قوت کے ساتھ ابھر آئے لہٰذا انھوں نے طے کرلیا کہ یہ عار وننگ ہم سے دور نہیں ہوسکتا جب تک کہ ہم ان لوگوں کو جنھوں نے قتل میں شرکت کی تھی قتل نہ کرلیں، یا اس کوشش کے ذیل میں خود بھی اپنی اپنی جانیں نہ دے دیں۔ چنانچہ انھوں نے اس سلسلے میں دوستانِ اہل بیتؑ میں سے پانچ اہم شخصیتوں سے رابطہ قائم کیا: **سلیمان بن صرد خزاعی** جو اصحاب رسولؐ میں سے تھے، مسیب بن نجبہ خزاعی جو اصحاب حضرت علیؑ میں سے ممتاز حیثیت رکھتے تھے، عبداللہ بن سعد بن نفیل ازدی، عبداللہ بن دال تمیمی اور رفاعہ بن شداد بجلی۔ چنانچہ یہ پانچوں آدمی اور دوسرے بہت سے ممتاز افراد سلیمان بن صرد خزاعی کے مکان پر جمع ہوئے اور مسیّب بن نجبہ نے تقریر کی۔ جس میں کہا کہ:

ہم اپنی سچائی پر ناز اور اپنی جماعت پر فخر کیا کرتے تھے لیکن جب خدا نے ہمارا امتحان لیا تو معلوم ہوا کہ ہمارے دعوے سراسر غلط تھے۔ ہم نے امام حسینؑ کو دعوت دی اور ان کے پاس پیغام بھیجے کہ آیئے ہم آپ کی نصرت پر آمادہ ہیں لیکن جب آپ تشریف لے آئے تو ہم نے اپنی جان چرائی اور ہم نے اپنی جانوں اور اپنے اموال بلکہ اپنی زبانوں سے بھی اپنے فریضۂ نصرت وحمایت کو پورا نہ کیا اور نہ اپنے قبیلہ ہی کو اس کے لئے آمادہ کیا۔ اب ہم خدا اور رسولؐ کو کیا جواب دیں گے جب کہ ہمارا کوئی عذر قابل قبول قرار پا ہی نہیں سکتا۔ البتہ یہ ایک صورت ہوسکتی ہے کہ قتل حسینؑ میں کسی حیثیت سے بھی جن جن نے حصہ لیا ہے اب ان سب اشخاص کو قتل کریں یا اس سلسلے میں خود اپنی جانوں سے گزر جائیں۔ اب آپ لوگوں کو لازم ہے کہ کوئی اپنا سردار منتخب کریں جس کی زیر قیادت اس مہم کی تکمیل ہو۔''

ان کی تقریر کے ختم ہوتے ہی رفاعہ بن شداد کھڑے ہوئے اور انھوں نے مناسب الفاظ میں ان کی تائید کی اور کہا کہ ''اگر آپ پسند کریں تو آپ ہی کو اس مہم کی قیادت سپرد کی جائے اور نہیں آپ کی رائے ہو اور دوسرے حضرات بھی متفق ہوں تو ہم اس ذمہ داری کو اپنی جماعت کی سب سے معمر فرد سلیمان بن صرد

کے سپرد کریں جو پیغمبرؐ خدا کے صحابی ہیں اور جن کے کارنامے نصرت دین میں سب ہی کو معلوم ہیں اور جن کی اصابت رائے اور بصیرت بھی قابل اعتماد ہے۔ عبداللہ بن دال اور عبداللہ بن سعد نے بھی اپنی تقریروں میں مزید تائید کے ساتھ مسیب بن نجبہ اور سلیمان بن صرد دونوں کی اہلیت کا اقرار کیا۔ آخر میں مسیب بن نجبہ کی اختتامی تقریر کے بعد بالاتفاق سلیمان بن صرد کا اس جماعت کی قیادت کے لئے انتخاب ہوگیا۔''

اب سلیمان کھڑے ہوئے اور انہوں نے انتہائی پرزور، موثر ایک تقریر کی جسے وہ اس کے بعد سے ہر جمعہ میں دہرایا کرتے تھے۔ اس[1] کا مختصر اقتباس درج ذیل ہے:-

''ہم لوگ گردنیں اٹھا اٹھا کر اشتیاق کے ساتھ اہل بیت رسولؐ کی تشریف آوری کی راہ دیکھا کرتے تھے، لیکن جب وہ آئے تو ہم نے تغافل اور تساہل سے کام لیا۔ یہاں تک کہ ہمارے ملک میں اور ہمارے قریب فرزند رسولؐ قتل کردیئے گئے جب کہ آپ آواز استغاثہ بلند کررہے تھے لیکن کوئی لبیک کہنے والا نہ تھا۔ گروہ فاسقین نے ان کو اپنے تیروں کا نشانہ اور نیزوں کا سرمشق بنائے رکھا، یہاں تک کہ آپ شہید ہوگئے اور اتنا ہی نہیں بلکہ اعداء نے بعد شہادت آپ کا لباس تک لوٹ لیا۔ پھر اب اٹھنا ہے تو اٹھ کھڑے ہو۔ اللہ کا غضب حرکت میں آچکا ہے۔ بس اب طے کرلو کہ اپنے بیوی بچوں کے پاس اس وقت تک واپس نہیں جاؤگے جب تک اللہ کی خوشنودی کا سامان نہ کرلوگے اور بخدا میرے خیال میں تو وہ اس وقت تک تم سے خوشنود نہیں ہوسکتا، جب تک کہ ان کے قاتلوں کو کیفر کردار تک نہ پہنچا دو یا خود اسی راہ میں جان نہ دے دو۔ ہاں خبردار! موت سے ڈرنا نہیں، کیونکہ جو کوئی موت سے ڈرتا ہے وہ ذلیل ہوتا ہے۔ دیکھو تو کہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت نے جب گوسالہ پرستی کے جرم کا ارتکاب کیا تو ان کی توبہ کس طرح قبول ہوئی؟ ان سے کہا گیا کہ تم اپنے نفوس کے قتل کرنے پر تیار ہوجاؤ کہ اس پر اس جماعت

(۱) طبری، ج ۷، ص ۴۸

نے کیا کیا؟ وہ (گردنیں) بڑھا کر فیصلہ قدرت کے اجراء کے لئے تیار بیٹھ گئے۔ اس لئے کہ انہیں اپنے جرم کا صحیح احساس تھا اور یہ معلوم ہوگیا تھا کہ بغیر اس کے توبہ قبول نہیں ہوسکتی۔ اب تم بھی اگر اپنے کو مجرم سمجھ رہے ہو تو ایسی ہی قربانی کے لئے تیار ہوجاؤ۔ تلواریں تیز کرلو، نیزوں کی انیاں درست کرلو اور پورے ساز و سامان سے تیار اور منتظر ہو کر بیٹھ جاؤ کہ جب تمہیں دعوت دی جائے تو فوراً نکل کھڑے ہو، دیر نہ ہونے پائے۔''

یہ پرجوش تقریر تھی جسے سن کر مجمع کے جذبات میں طوفان برپا ہوگیا۔

متعدد مقررین نے کھڑے ہو کر اپنے تاثرات اور عزم جہاد کا اظہار کیا۔ عبداللہ بن دال تمیمی خزانچی مقرر ہوئے اور طے پایا کہ ان کے پاس روپیہ جمع کیا جائے اور عزم وولولہ سے بھرا ہوا یہ مجمع منتشر ہوا۔

اب سلیمان نے مدائن میں سعد بن حذیفہ بن یمان اور دوسرے مقامات پر کچھ دوسرے اشخاص کو بھی خطوط لکھے۔ ان[1] خطوط کے مضمون کا اہم حصہ حسب ذیل تھا:-

''شیعیان اہل بیتؑ نے اپنے اس موقف پر غور کیا ہے جو ان سے رونما ہوا فرزند رسولؐ کے بارے میں جنھیں دعوت دی گئی تو وہ آگئے اور انھوں نے جب دعوت نصرت دی تو اس پر لبیک نہ کہی گئی اور انھوں نے واپس جانا چاہا تو انھیں روکا گیا اور انھوں نے امان چاہی تو انکار کیا گیا اور انھوں نے چاہا کہ انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیں مگر دشمنوں نے انھیں نہ چھوڑا اور ان پر چڑھائی کرکے انھیں شہید کر ڈالا پھر ان کا لباس لوٹ لیا اور لاش مطہر کو عریاں چھوڑ دیا۔ اب ہماری جماعت نے اس پیش آمد پر غور کیا ہے اور انھیں شدت کے ساتھ یہ احساس پیدا ہوا ہے کہ ان سے اس معصوم کی مدد نہ کرنے میں بہت بڑی خطا سرزد ہوئی ہے جس کا کفارہ یہی ہے کہ ان کے قاتلوں کو قتل کریں یا خود اپنی جان دے دیں۔ اب یہ سب بالکل تیار ہوگئے ہیں لہٰذا آپ لوگ بھی

(۱) طبری، ج ۷، ص ۴۹

تیار ہوجائیں۔ ہم نے اس مہم کے آغاز کے لئے ایک تاریخ اور جگہ مقرر کردی ہے جس میں سب کو مجتمع ہوجانا چاہئے۔ تاریخ یکم ربیع الثانی ۶۵ھ ہوگی اور جگہ مقام نخیلہ۔''

یہ خط سعد کو پہنچا اور انھوں نے مدائن کے شیعوں کو پڑھ کر سنایا اور اس کے ساتھ خود تقریر کی جس[۱] میں کہا کہ ''واقعہ یہ ہے کہ آپ لوگ متفقہ طور پر حضرت امام حسینؑ کی نصرت کا عزم رکھتے تھے اور جونہی ان کے تشریف لانے کی اطلاع ملے فوراً ہی ان کے پاس جانے کا ارادہ رکھتے تھے مگر آپ کو اچانک ان کی شہادت کی خبر ملی جس سے مجبور ہوگئے۔ بہر حال اللہ کے یہاں آپ کی نیتوں کا اجر ملے گا۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ آپ کے برادرانِ دینی اہلِ باطل سے مقابلہ کے لئے آپ کی مدد کے خواستگار ہیں۔ اب غور کرنا ہے کہ اس بارے میں کیا کرنا چاہئے۔''

سب نے کہا کہ ہم ضرور ان کی مدد کریں گے اور متفقہ طور پر دشمنانِ اہل بیتؑ سے جہاد کریں گے۔ چنانچہ سعد بن حذیفہ نے سلیمان بن صرد کے خط کا جواب اقرار نصرت پر مشتمل روانہ کردیا۔ اسی طرح کے جواب دوسروں کے بھی آئے۔

یہ سب کاروائیاں بالکل خاموشی سے ہو رہی تھیں، یہاں تک کہ مکمل راز داری کے ساتھ کافی افراد اس تحریک سے متفق ہوگئے تاہم ۶۱ھ سے لے کر ربیع الاول ۶۳ھ یعنی ہلاکت یزید تک حالات ایسے پیدا نہیں ہوسکے کہ اس سلسلہ میں کوئی عملی اقدام کیا جاسکتا۔ مگر یزید[۲] کی موت کے بعد اس تحریک میں زیادہ قوت پیدا ہوئی اور اب تقریباً علانیہ اس کی اشاعت کی جانے لگی، یہاں تک کہ یہ تحریک مصر تک بھی پہونچ گئی اور عبیداللہ بن عبداللہ مصری کی مسلسل تقریروں نے جن میں شہادت امام حسین علیہ السلام کا تذکرہ نہایت موثر الفاظ میں کیا جاتا تھا، وہاں بھی جوش وخروش پیدا کردیا۔[۳]

یکم ربیع الثانی ۶۵ھ مقررہ تاریخ پر یہ لوگ نخیلہ میں جمع ہوئے تو یہ دیکھ کر کسی حد تک مایوسی ہوئی کہ جن لوگوں نے اقرار

(۱) طبری، ج ۷، ص ۵۰ (۲) طبری، ج ۷، ص ۵۱ (۳) طبری، ج ۷، ص ۵۲

نصرت کیا تھا۔ جن کے نام فہرست میں درج ہوچکے تھے وہ سولہ ہزار تھے مگر تاریخ معین پر جو تعداد جمع ہوئی وہ چار ہزار تھی۔[۱] تاہم یہ لوگ عزم وارادہ کے پختہ تھے، اس لئے قلت تعداد کی پروا نہ کرتے ہوئے انہوں نے عملی اقدام کا تہیہ کرلیا۔

بعض لوگوں کی رائے تھی کہ قاتلانِ حسینؑ کوفہ ہی میں موجود ہیں، ان سے یہیں سمجھ لینا چاہئے مگر سلیمان کی رائے یہ ہوئی کہ سب سے بڑا قاتل حضرت امام حسینؑ کا جو اس وقت موجود ہے، ابن زیاد ہے جس نے تمام شرائط مصالحت کو مسترد کیا اور یہ کہا کہ ''جب تک حسینؑ غیر مشروط طور پر اطاعت نہ کرلیں ان کو اماں نہیں مل سکتی۔ لہٰذا اسی کے مقابلہ کے لئے چلنا چاہئے۔ جب اس سے مقابلہ میں کامیابی ہوجائے تو پھر ان چھوٹے آدمیوں کو سزا دینا کون مشکل ہے؟ چنانچہ سب نے اس رائے پر اتفاق کرلیا۔[۲]

شب جمعہ ۵ ربیع الثانی ۶۵ھ کو اندھیرے منھ یہ لوگ شام کے ارادہ سے روانہ ہوگئے۔[۳] سب سے پہلے ان لوگوں نے جا کر قبر حسینؑ کی زیارت کی۔ اس وقت ان کے گریۂ وشیون کا عجب عالم تھا اور ہر ایک اس آرزو سے بیتاب تھا کہ کاش وہ نصرت امامؑ میں روز عاشور کام آیا ہوتا اور اس شہادت کے درجہ کو حاصل کرتا۔ ایک شب و روز انھوں نے اس عالم میں نوحہ و ماتم کے ساتھ ساتھ نماز ومناجات اور توبۂ واستغفار میں بسر کیا۔ اس کے بعد جذبات کے انتہائی تلاطم میں وہ پورا مجمع قبر امام حسینؑ سے رخصت ہوا جس کے ساتھ سلیمان بن صرد اور دوسرے سرداروں کی انتہائی موثر تقریروں[۴] نے ولولہ وجوش کے دریا کو شدت کے ساتھ طوفانی کردیا۔

ان مجاہدین نے منزل بمنزل طے کرکے عین الوردہ میں جا کر اپنے صفوف مرتب کئے۔ پانچ دن کے بعد شام کی فوجیں ابن ذی الکلاع اور حصین بن نمیر کی سرکردگی میں ان کے مقابل

(۱) طبری، ج ۷، ص ۶۷ (۲) طبری، ج ۷، ص ۶۸
(۳) طبری، ج ۷، ص ۶۹ (۴) طبری، ج ۷، ص ۷۰

پہنچ گئیں۔ اب سلیمان بن صرد نے آخری انتظامات کئے اور اعلان کیا کہ اگر میں کام آجاؤں تو سردار لشکر مسیب بن نجبہ ہوں گے اور وہ شہید ہوجائیں تو سردار عبداللہ بن سعد بن نفیل ہوں گے اوران کے بعد عبداللہ بن دال اور پھر رفاعہ بن شداد۔ [1]

روز چہار شنبہ ۸/ر جمادی الاولیٰ کو پہلا مقابلہ ہوا۔ باوجودیکہ دشمن کی فوج بارہ ہزار تھی [2] اور یہ کل چار ہزار، پھر بھی یہ غالب آئے مگر دوسرے دن آٹھ ہزار فوج کی کمک ان کے مقابل میں آگئی جسے عبیداللہ بن زیاد نے روانہ کیا تھا۔ آج بڑی شدت کا مقابلہ رہا اور رات آنے تک جنگ جاری رہی۔ اب زخمیوں کی تعداد مجاہدین میں بہت زیادہ تھی۔

تیسرے دن دشمنوں کی کثرت اور ان کی قلت سے حالت دگرگوں ہوگئی، پھر بھی جان توڑ مقابلہ کرتے رہے مگر آخر میں بزدل دشمنوں نے تیر بارانی کا سلسلہ جاری کردیا۔ چنانچہ ایک تیر آکر سلیمان بن صرد خزاعی کے لگا جس سے وہ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ ان کے بعد علم لشکر مسیب بن نجبہ نے لیا اور بڑی بہادری سے کئی حملے کئے مگر آخر وہ بھی شہید ہوئے۔ [3] ان کے بعد عبداللہ بن سعد بن نفیل نے علم سنبھالا اور قبیلہ ازدکی جماعت کو ساتھ لے کر مقابلہ شروع کیا۔ اس دوران میں مدائن کے تین سوار آئے جنھوں نے اطلاع دی کہ مدائن اور بصرہ سے کمک روانہ ہوچکی ہے مگر یہاں حالت اتنی نازک ہوچکی تھی کہ ان مجاہدین کی زندگی میں اس فوج کے پہنچنے کی امید نہ تھی، آخر وہ نو وار دتینوں مجاہد بھی لڑ بھڑ کر جاں بحق تسلیم ہوئے [4] اور اس کے بعد عبداللہ بن سعد اور پھر عبداللہ بن دال بھی شہید ہوگئے۔ [5]

اب شام ہوگئی تھی اس لئے جنگ موقوف ہوگئی۔ نام زد سرداروں میں اب صرف رفاعہ بن شداد باقی تھے مگر اب حالت یہ تھی کہ ان کی تعداد چار ہزار سے گھٹ کر صرف چند سو باقی رہ گئی تھی اور ان میں سے بھی اکثر زخمی اور ناقابل جنگ تھے، لہٰذا

(۱) طبری، ج ۷، ص ۷۴ (۲) طبری، ج ۷، ص ۷۵ (۳) طبری، جلد ۷، ص ۷۶
(۴) طبری، ج ۷، ۷۷ (۵) طبری، ج ۷، ص ۷۸

انھوں نے مقابلہ جاری رکھنے میں کامیابی کی صورت نہ دیکھتے ہوئے رات کے وقت اپنی قلیل فوج کے ساتھ مراجعت اختیار کی۔ [1] اس طرح قاتلان حسینؑ سے بدلا لینے کی یہ پہلی کوشش منزل آخر تک پہنچی۔

دوسری کوشش جو کامیاب ہوئی وہ جناب مختارؒ بن ابی عبیدہ ثقفی کے ہاتھ سے پایۂ تکمیل کو پہنچی مگر جناب مختار اور سلیمان بن صرد خزاعی کے طرز عمل میں تھوڑا سا اختلاف تھا۔

سلیمان بن صرد خزاعی کی سرکردگی میں جماعت توابین نے جو قاتلانِ حسینؑ سے انتقام لینا چاہا تھا، اس میں انہوں نے براہِ راست حکومت شام کے خلاف محاذ قائم کیا تھا۔ اور وہ اپنی قلتِ تعداد کی بنا پر اسے کوئی خاص مادی نقصان نہ پہنچا سکے مگر جناب مختار نے محاذ خود کوفہ میں قائم کیا اور ان افراد کو جو خود کربلا میں حضرت امام حسینؑ کے مقابلہ میں موجود تھے۔ انہیں قتل کیا۔ یہاں تک کہ ابن زیاد تک جو اس سلسلے کا بہت بڑا مجرم تھا ان کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اس طرح اس مقصد کی بڑی حد تک تکمیل ہوئی جس کے لئے اسلامی دل ودماغ بے چین تھے۔

مختار بن ابی عبیدہ ثقفی خاندانی اعتبار سے رؤسائے عرب میں سے تھے۔ ان کے والد ابوعبیدہ اسلامی فتوحات کے سلسلے میں تسخیر ایران سے متعلق اکثر نبرد آزمائیوں میں شریک ہوچکے تھے چنانچہ ''حسر ابی عبید'' کی جنگ ان ہی کے نام سے منسوب ہے اور خود مختار اہلبیتؑ رسولؐ کے ہمدرد کی حیثیت سے خاص طور پر مشہور ہوئے۔ اگرچہ جو خطوط حضرت امام حسینؑ کو کوفہ سے بھیجے گئے تھے ان میں ان کے نام کی صراحت نظر نہیں آتی تاہم جب مسلم بن عقیل کوفہ پہنچے تھے تو آپ نے مختار ہی کے گھر پر قیام کیا تھا۔ [2] اس کے بعد جب ابن زیاد کا کوفہ پر تسلط ہوا اور فضا مکدر ہوئی تو اس موقع پر مختار کوفہ میں موجود نہیں تھے بلکہ اپنی زمینداری میں کسی موضع پر گئے ہوئے تھے لہٰذا مسلمؑ ان کے گھر سے منتقل ہوکر ہانی کے مکان پر قیام پذیر ہوئے۔ پھر ہانی کے گرفتار ہونے

(۱) طبری، ج ۷، ص ۸۰ (۲) طبری، جلد ۷، ص ۵۸ / ارشاد، ص ۲۱۱

پر مسلمؒ کو جہاد کے لئے نکلنا پڑا اور بالآخر مسلمؒ و ہانیؒ دونوں شہید ہوئے۔ اس کے بعد عمرو بن حریث نے رایت امان اس اعلان کے ساتھ بلند کیا کہ جو اس جھنڈے کے نیچے آجائے گا اس کا جان و مال محفوظ رہے گا۔ اس وقت مختار کوفہ واپس پہنچے اور عمرو بن حریث کے رایتِ امان کے نیچے آگئے مگر ان کی طرف سے حکومت کوفہ اس درجہ بدظن تھی کہ انہیں اس جھنڈے کے نیچے پہنچ جانے پر بھی امان نہ مل سکی۔ ابن زیاد نے اپنے دربار میں بلا کر اپنی چھڑی سے ان کے چہرے پر ایسی ضربیں لگائیں کہ ان کی آنکھ کو صدمہ پہنچ گیا اور پھر انھیں قید خانہ بھجوا دیا۔ چنانچہ جب حضرت امام حسینؑ کی شہادت واقع ہوئی تو وہ کوفہ میں مقید تھے اور غالباً قتل بھی کر دیئے جاتے مگر ان کی بہن عبداللہ بن عمر کی زوجہ تھیں اور اگر چہ عبداللہ بن عمر بھی شروع میں یزید کی بیعت سے انکار کرتے تھے مگر شہادت حسینؑ پر مطلع ہونے کے بعد ان کا حوصلہ پست ہو چکا تھا اور وہ یزید کی طرف جھکنے لگے تھے۔ اُدھر یزید عام طور پر عالم اسلامی کی برہمی و بیزاری سے متاثر ہو کر ہر ایسے شخص کی انتہائی دل جوئی اور مراعات کرنا چاہتا تھا کہ جو کم از کم اس کی حکومت کے خلاف آواز بلند کرنے سے باز رکھا جا سکتا ہو لہٰذا اس موقع پر عبداللہ بن عمر کی کسی بات کو رد کر کے ان کو اپنے سے برگشتہ خاطر کرنا کسی طرح مناسب نہ سمجھتا تھا۔ چنانچہ عبداللہ بن عمر نے مختار کی بہن کے انتہائی اصرار سے مجبور ہو کر یزید کو مختار کی رہائی کے لئے خط لکھا اور یزید نے فوراً عبیداللہ بن زیاد کو تاکیدی حکم بھیجا کہ مختار کو رہا کر دیا جائے۔ اس طرح ابن زیاد ان کو رہا کرنے پر مجبور ہو گیا مگر شرط کر دی کہ تین دن کے اندر کوفہ چھوڑ دینا ورنہ تمہارا خون مباح ہوگا۔ چنانچہ تین دن کے اندر مختار کوفہ سے حجاز کی طرف روانہ ہو گئے۔ (۱)

ایک سال سے زیادہ وہ حجاز میں مختلف مقامات پر گردش کرتے رہے اور اس دوران میں وہ برابر کہتے رہتے تھے کہ مجھے حضرت امام حسینؑ کے خون کا انتقام لینا ہے جو میں لے کر رہوں گا۔

(۱) طبری، ج ۷ ص ۵۹

جب دمشق کی فوجوں نے حصین بن نمیر کی سرکردگی میں عبداللہ بن زبیر کے مقابلہ مین فوج کشی کی اور مکہ معظمہ کا محاصرہ کیا تو مختارؒ اس وقت مکہ میں تھے اور ۳/ربیع الاوّل ۶۴ھ کو جس دن خانۂ کعبہ میں آگ لگائی گئی اور شام کی فوجیں شہر مکہ میں داخل ہوئیں تو مختارؒ نے اہل شام کے مقابلہ میں تقریباً تن تنہا انتہائی جرأت و ہمت کے ساتھ شدید جنگ کی، (۱) یہاں تک کہ اہل شام کو شکست ہوئی۔ اسی دوران میں ہلاکت یزید کی خبر آئی اور شام کی فوجیں واپس گئیں۔ مختار اس کے بعد بھی پانچ مہینے سے کچھ زیادہ عبداللہ بن زبیر کے پاس مکہ معظّمہ میں مقیم رہے۔

اتنے عرصے میں کوفہ کی حکومت میں انقلاب ہو چکا تھا۔ اہل کوفہ ابن زیاد کے نائب حکومت عمرو بن حریث کو نکال چکے تھے اور عارضی طور پر عامر بن مسعود کو حاکم بنا دیا تھا۔ جس نے عبداللہ بن زبیر کی اطاعت کر لی اور اہل کوفہ سے ابن زبیر کی خلافت تسلیم کرائی مگر ابھی تک کوفہ میں نظم و نسق پورے طور پر قائم نہیں ہونے پایا تھا۔ مختار کو یہ وقت قاتلانِ حسینؑ سے انتقام کے متعلق اپنے منصوبہ کی تکمیل کے لئے بہت مناسب معلوم ہوا اور وہ کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ (۲) اور وہاں پہنچ کر ممتاز افراد شیعہ سے اپنی مہم کے بارے میں تبادلۂ خیالات شروع کر دیا اور بہت سے اشخاص ان کے ساتھ متفق الرّائے ہو گئے۔ (۳)

مگر جب سلیمان بن صرد خزاعی جماعتِ توّابین کے ساتھ حامیوں کے مقابلہ کو نکلے، اس وقت کوفہ میں مختار کو پھر قید کر کے داخل زندان کر دیا گیا۔ (۴)

سلیمان کی شہادت کے بعد جب ان کی جماعت کے باقی ماندہ قلیل افراد رفاعہ بن شداد کے ساتھ کوفہ واپس ہوئے تو مختار قید خانہ میں تھے۔ (۵)

آخر کو عبداللہ بن عمر نے پھر عبداللہ بن زبیر اور ابراہیم بن محمد طلحہ کو جو اس وقت عبداللہ بن زبیر کی طرف سے کوفہ کا حاکم تھا

(۱) طبری، جلد ۷ ص ۶۲ (۲) طبری، ج ۷ ص ۶۳ (۳) طبری، ج ۷ ص ۶۴ (۴) طبری، جلد ۷ ص ۶۵ (۵) طبری، جلد ۷ ص ۸۰

مختار کی رہائی کے لئے خط لکھا جس کے بعد وفاداری کی قسمیں لینے کے بعد مختار کو رہا کردیا گیا۔

اس کے بعد عبداللہ بن زبیر نے ابراہیم بن محمد کو معزول کردیا اور عبداللہ بن مطیع کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا[1] جو روز پنجشنبہ ۱۵/ماہِ رمضان ۶۵ھ کو کوفہ میں وارد ہوا۔[2]

اب مختار کے ساتھ بہت سے ممتاز صاحبانِ عزم وہمت متفق الرّائے ہو چکے تھے مگر مالک اشترؒ کے فرزند ابراہیم کی ایک اہم شخصیت تھی جن کا متحد بنانا اس مہم کے لئے ضروری محسوس ہوتا تھا چنانچہ ابراہیم کو مقصد سے پورے طور پر آگاہ کرکے انہیں بھی متفق بنالیا گیا جس سے مختار کی تحریک کو بڑی قوت حاصل ہوئی۔[3]

اب برابر مختار ابراہیم کے یہاں آمد و رفت رکھنے لگے۔ روزانہ شام کے وقت ابراہیم ان کے یہاں جاتے تھے اور رات گئے تک تبادلۂ خیالات کرتے رہتے تھے۔ بالآخر اس امر پر اتفاق ہوا کہ شب پنجشنبہ ۱۴/ربیع الاوّل ۶۶ھ کو عملی اقدامات کا آغاز کردیا جائے۔[4]

ان لوگوں نے باہم یہ رائے قائم کی کہ ہم کو قاتلانِ حسینؑ سے انتقام لینے کے لئے دمشق جانے کی ضرورت نہیں بلکہ حقیقتاً قاتلانِ حسینؑ چونکہ یہیں کوفہ میں موجود ہیں لہٰذا ان سے ہم کو بدلا لینا چاہیے۔ لیکن اس صورت میں ابن زبیر کی حکومت سے ان کا تصادم لازمی تھا اس لئے کہ قاتلانِ حسینؑ کا براہِ راست تعلق اگرچہ حکومت شام سے تھا مگر وہ اس وقت کوفہ کے باشندہ تھے۔ ان سے انتقام لینے کے معنی تھے قانون کو اپنے ہاتھ میں لینا اور ظاہر ہے کہ حکومت وقت کو اس صورت میں اپنے نظام کے تحفظ کی خاطر ان افراد کی حفاظت کرنا تھی جو اس شہر کے باشندہ تھے۔ لہٰذا مختار اور ان کی جماعت کے لئے قاتلانِ حسینؑ سے اپنے حسب دلخواہ انتقام لینا ممکن ہی نہ ہوسکتا تھا، جب تک کہ وہ کوفہ کی

(۱) طبری، ج ۷ ص ۹۴ (۲) طبری، جلد ۷ ص ۹۵
(۳) اخبار الطوال، ص ۲۸۳/طبری، جلد ۷ ص ۹۹-۹۷
(۴) طبری، جلد ۷ ص ۱۰۰

موجودہ حکومت کو ختم کرکے ایک خود مختار حکومت قائم کرنے میں کامیاب نہ ہوجاتے۔ چنانچہ اس نظریہ کے ماتحت ان کا حکومت ابن زبیر سے تصادم ناگزیر ہوا اور نتیجتاً عبداللہ بن مطیع کے تاب مقابلہ نہ لاکر فرار اختیار کرنے پر کوفہ میں مختار کی حکومت قائم ہوگئی۔ اس طرح مختار دو حکومتوں کے غیظ و غضب کا مرکز بن گئے۔ ایک طرف حکومت شام جس سے براہ راست قاتلان امامِ حسینؑ کا تعلق تھا اور دوسری طرف ابن زبیر کی حکومت جو کوفہ میں اپنے تسلط کے لئے مختار سے جنگ کرنا ضروری سمجھتی تھی۔

اس صورتِ حال کے دیکھنے کے بعد ہم ان الزامات کی حقیقت کے متعلق بہت کچھ سمجھ سکتے ہیں جو مختار کے متعلق عام تواریخ میں درج کردیئے گئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ علم غیب کے مدعی تھے، وہ کہتے تھے کہ مجھ پر جبرئیل آتے ہیں، انھوں نے محمد حنفیہ کی مہدویت کا اعلان کرکے غلط طور پر اپنے کو ان کا نمائندہ بتایا اور ان کی طرف سے جعلی خط بنا کر ابراہیم بن مالک اشتر کو اپنا ہم خیال بنایا۔ وغیرہ وغیرہ۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ سب حکومتوں کی طرف سے ان کے خلاف پروپگنڈا تھا جس کی مثالیں برابر تاریخ میں ہمارے سامنے آتی رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ عبداللہ بن زبیر کو یزید اور اس کے ہواخواہ ''ملحد'' کے نام سے یاد کرتے تھے پھر اگر مختار کے خلاف اس قبیل کے الفاظ ملتے ہیں تو انھیں کیوں کر حقیقت سمجھا جاسکتا ہے۔

ہمارے نزدیک تو ان الزامات کا غلط ہونا ان افراد ہی پر نظر کرنے سے ثابت ہوجاتا ہے جو مختار کے ساتھ تھے اور برابر ساتھ رہے، جیسے ابوالطفیل عامر بن واثلہ بن اسقع کنانی کہ جو صحابہ رسولؐ تھے۔[1] اسی طرح ابوعثمان نہدی اور پھر رفاعہ بن شداد، یزید بن انس، عبدالرحمن بن سعید بن قیس، ورقاء بن عازب اور احمر بن شمطیہ وغیرہ۔ یہ سب صاحبانِ بصیرت اور دیندار لوگ تھے۔

ابراہیم بن مالک اشتر کے متعلق یہ مان بھی لیا جائے کہ

(۱) ۱۱۰ھ میں وفات ہوئی۔ اصحاب رسولؐ میں سب سے آخر میں ان ہی کی وفات ہوئی ہے۔ (صحیح مسلم، ج ۲ ص ۲۵۸)

انھیں غلط تحریر دکھلا کر موافق بنالیا گیا تھا تو بعد (میں) مختار کے ساتھ تقریباً ہر وقت رہنے کے باوجود انہیں مختار کے عقائد و اعمال پر اطلاع نہ ہوتی۔ اور اطلاع ہونے کے بعد وہ منحرف نہ ہوجاتے؟ پھر اگر فرض کیا جائے کہ انہیں ہر وقت ساتھ رہنے کے باوجود ان باتوں کی اطلاع نہیں ہوئی تو آخر ان راویوں کو ان پر اطلاع کیوں کر ہوسکی جو مختار کے ساتھ ویسے روابط بھی نہ رکھتے تھے۔

مختارؒ کا خلوص تو اس سے ظاہر ہے کہ حکومت پانے کے بعد بھی مختارؒ اور ان کے ساتھیوں نے اپنے نصب العین کو فراموش نہیں کیا اور چن چن کر انھوں نے قاتلانِ حسینؑ کو قتل کرنا شروع کردیا۔ جس طرح ان کا امتیازی نعرہ تھا یا آل ثارات الحسینؑ۔ (۱) اسی کے مطابق ان کا عمل ظاہر ہوا۔

اس کی تکمیل اسی طرح ہوگئی کہ عبداللہ بن زیاد شام کی فوج کو لے کر موصل پر حملہ آور ہوا۔ مختار نے اس کے مقابلہ کے لئے تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ یزید بن انس کو بھیجا۔ (۲) اس فوج نے دشمن کے لشکر کو جنگ میں شکست بھی دے دی، (۳) مگر عین معرکۂ جنگ میں یزید بن انس کی جو بیمار پہلے سے تھے وفات ہوگئی اور ورقاء بن عازب نے فوج دشمن کی کثرت اور اپنی قلت تعداد کے سبب اپنے سردار کے انتقال کے بعد اس مہم کو کوفہ سے مزید کمک منگوانے تک ملتوی کردینے کا فیصلہ کیا۔ (۴) مختارؒ کو یہ اطلاع ہوئی تو انہوں نے ابراہیم بن مالک اشترؒ کو سات ہزار کی فوج کے ساتھ ورقاء کی مدد کے لئے موصل کی طرف روانہ کیا۔ کوفہ کے سرداروں نے جو تقریباً سب ہی وہ لوگ تھے جو حضرت امام حسینؑ کے مقابلہ میں جنگ میں شرکت کرچکے تھے۔ اس موقع کو غنیمت جان کر کہ ابراہیم کوفہ سے باہر گئے ہوئے ہیں اور مختار تقریباً اکیلے ہیں متفق ہوکر بغاوت کردی اور مختار سے جنگ شروع کردی۔ (۵) ان میں حسب ذیل افراد کے نام نمایاں طور پر ملتے ہیں: شبث بن ربعی۔ شمر بن ذی الجوشن، محمد بن اشعث،

(۱) طبری، جلد ۷ ص ۱۱۲ (۲) طبری، جلد ۷ ص ۱۱۳ (۳) طبری، جلد ۷ ص ۱۱۴
(۴) طبری، جلد ۷ ص ۱۱۸ (۵) طبری، جلد ۷ ص ۱۱۶

زجر بن قیس، حجار بن الحبیر، یزید بن حارث بن ردیم شیبانی، عمرو بن حجاج زبیدی (۱) ان میں سے کوئی بھی نام واقعات کربلا کا مطالعہ کرچکنے والوں کے لئے اجنبی نہیں ہے۔

مختارؒ نے اپنے ساتھ والی جماعت کے ساتھ ان لوگوں کا معمولی طور سے مقابلہ جاری رکھا اور ایک قاصد کو ابراہیم بن اشتر کے پاس بھیج کر اطلاع دی کہ وہ اپنی فوج کے ساتھ فوراً کوفہ کی طرف واپس آئیں۔ چنانچہ تیسرے دن وہ اپنے لشکر کے ساتھ کوفہ واپس آگئے۔ (۲) اب دشمنانِ آلِ رسولؐ کی سرکوبی کا ہنگام آگیا تھا۔ چنانچہ گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

پہلے ہی پانچ سو آدمیوں کا جتھا جو گرفتار ہوکر مختارؒ کے پاس پیش ہوا تو مختارؒ نے کہا: ان میں سے جو جو قتل حسینؑ کے موقع پر کربلا میں موجود ہوں انہیں مجھ سے بتاتے جانا، ان کی میں جاں بخشی نہیں کروں گا۔ باقی سب کو چھوڑ دوں گا۔ چنانچہ جن جن کے بارے میں یہ الزام ثابت ہوا وہ قتل کردیئے گئے۔ باقی سب کو اقرار وفاداری لینے کے بعد رہا کردیا گیا۔ (۳) اس کے بعد مختارؒ کی جانب سے شہر میں ندا دی گئی کہ جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرکے بیٹھ جائے اسے امان ہوگی سوا اس شخص کے جو آل رسولؐ کے خون میں شریک ہوا۔ (۴) یہ روز چہارشنبہ ۲۴ ذی الحجہ ۶۶ھ کا ذکر ہے (۵) ابوعمرہ کیسان پولیس افسر تھے۔ چونکہ قاتلان حسینؑ بھی اب گھروں میں چھپ گئے تھے، اس لئے ابوعمرہ مامور ہوئے کہ وہ ایک ہزار مزدور ساتھ لے کر جائیں اور جو جو مظالم کربلا میں شریک تھے ان کے گھروں کو مسمار کرآئیں، کیونکہ ابوعمرہ ان لوگوں سے خوب واقف تھے، چنانچہ انہوں نے بہ کثرت گھر منہدم کرائے اور اس ذیل میں بہت سے دشمنانِ اہلبیتؑ قتل ہوئے۔ (۶)

اب بڑے بڑے نمایاں افراد جو قاتلانِ امام حسینؑ میں سے تھے تلوار کے گھاٹ اتار دیئے گئے جیسے شمر ذی الجوشن، (۷)

(۱) طبری، جلد ۷ ص ۱۱۷ (۲) طبری، ج ۷ ص ۱۱۸ (۳) طبری، ج ۷ ص ۱۲۵
(۴) طبری، ج ۷ ص ۱۲۱ (۵) طبری، ج ۷ ص ۱۲۴
(۶) اخبار الطوال، ص ۲۸۶ (۷) طبری، ج ۷ ص ۱۲۲

عبداللہ بن اسید جہنی، مالک بن نسر بدلی، حمل بن مالک محاربی،[1] زیاد بن مالک، عمران بن خالد، عبدالرحمن بن ابی خشکارہ بجلی، عبداللہ بن قیس خولانی، عبدالرحمن بن صلخب، عبداللہ بن وہب، عثمان بن خالد جہنی، بشر بن سوط قابضی،[2] خولی بن یزید اصبحی،[3] عمر بن سعد،[4] حکیم بن طفیل طائی سنبسی،[5] زید بن ورقاء، حرملہ بن کاہل اسدی، عمرو بن صبیح صیداوی[6] قیس بن اشعث۔[7]

کوفہ کی مہم سے فراغت کے بعد مختارؒ نے ابراہیم کو پھر ابن زیاد سے جنگ کے لئے روانہ کیا۔[8] موصل سے پانچ فرسخ پر مقام خارز میں جنگ ہوئی، شدید مقابلہ کے بعد شام کی فوج کو شکست ہوئی اور خود ابن زیاد ابراہیم کے ہاتھ سے قتل ہوا اس کے علاوہ حصین بن نمیر سکونی اور شرجیل بن ذی الکلاع جو شام کے دو مشہور سردار تھے وہ بھی اس جنگ میں مارے گئے[9] ابراہیم نے ابن زیاد کا سر کاٹ کر مختار کے پاس بھیجا اور مختار نے اسے محمد بن حنفیہ کے پاس بھیج دیا۔[10] اس کے بعد ابراہیم کے موصل اور اس کے تمام اطراف پر تسلط قائم کر کے عمال مقرر کئے۔ اور خود نصیبین میں جا کر قیام کیا۔[11] مختارؒ اب کوفے میں اکیلے رہ گئے۔

ابن زبیر کو مختارؒ سے بنائے مخاصمت قائم ہی ہو چکی تھی۔ عراق میں بصرہ پر عبداللہ بن زبیر کا تسلط قائم تھا۔ اس دوران میں انہوں نے بصرہ کے مقامی حاکم کو جو زیادہ ان کے نزدیک قابل اطمینان نہ تھا معزول کر کے اپنے بھائی مصعب بن زبیر کو بصرہ میں حاکم مقرر کر دیا ممکن ہے اسی وقت اس کا مقصد مختارؒ کے مقابلہ میں مہم کا سرانجام دینا ہو۔

ادھر کوفہ سے جو قاتلان امام حسینؑ مختار کے ہاتھوں بچ کر کسی طرح نکلے جیسے شیث بن ربعی، محمد بن اشعث، مرّہ بن منقذ

(۱) طبری، ج ۷ ص ۱۲۴ (۲) طبری، ج ۷ ص ۱۲۵
(۳) طبری، ج ۷ ص ۱۲۶ (۴) طبری، ج ۷ ص ۱۲۷
(۵) طبری، ج ۷ ص ۱۲۸ (۶) طبری، ج ۷ ص ۱۲۹
(۷) اخبار الطوال، ص ۲۹۴ (۸) طبری، ج ۷ ۱۲۹
(۹) اخبار الطوال، ص ۲۸۸ (۱۰) اخبار الطوال، ص ۲۵۵
(۱۱) اخبار الطوال، ص ۲۸۹

عبدی سنان بن انس اور عبداللہ بن عروہ خشعمی وغیرہ وہ سیدھے مصعب بن زبیر کے پاس بصرہ پہنچے[1] اور انہوں نے بھی اس کو مختارؒ سے جنگ پر آمادہ کیا۔ خصوصیت کے ساتھ شیث بن ربعی اور محمد بن اشعث نے بڑے مبالغہ کے ساتھ اپنی مظلومی کے غلط افسانے سنا کر الحاح وزاری سے کام لیا۔ اور کوفہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔[2]

دینوری کا بیان ہے کہ دس ہزار اہل کوفہ رفتہ رفتہ نکل کر بصرہ پہنچ گئے اور ان سب نے محمد بن اشعث کی سرکردگی میں مصعب کو کامیابی کا یقین دلایا۔[3]

اسی دوران میں ایک واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ عبداللہ بن زبیر نے مکہ معظمہ میں محمد بن حنفیہ، ان کے متعلقین اور ان کوفہ کے آدمیوں کو جو مکہ میں تھے مقید کر دیا اور ایک مدت مقرر کر دی کہ اگر اس وقت تک انہوں نے بیعت نہ کی تو وہ سب زندہ جلا دیئے جائیں گے۔ محمد حنفیہ نے ایک قاصد کے ذریعہ سے اس کی اطلاع مختارؒ کو دی۔ مختارؒ نے کوفہ سے فوج روانہ کی جس نے مکہ جا کر محمد حنفیہ اور ان کے ساتھ والوں کو قید سے رہائی دی۔ یہ لوگ تو ابن زبیر کا خاتمہ کر دینے پر آمادگی ظاہر کر رہے تھے مگر محمد حنفیہ نے حرم میں خوں ریزی سے سختی کے ساتھ مخالفت کی اس لئے یہ لوگ ابن حنفیہ کو ایک محفوظ جائے پناہ تک پہنچا کر واپس گئے۔[4]

بالآخر مصعب بن زبیر نے غالباً اپنے بڑے بھائی عبداللہ بن زبیر کی ہدایت ہی کی بنا پر ایک لشکر گراں کے ساتھ کوفہ پر حملہ کر دیا۔ مختارؒ نے مقابلہ کی تیاری کی۔ مگر اب مشیت الٰہی کا فیصلہ کچھ اور تھا۔ مختارؒ اپنے مقصد حیات کو پورا کر چکے تھے۔ ان کی طاقت بھی اس وقت یک جا نہ تھی کیونکہ ابراہیم بن مالک اشترؒ نصیبین میں تھے اور اس صورت حال کی انہیں کوئی اطلاع نہ تھی۔ مصعب کے پاس فوج بہت زیادہ تھی اور محمد بن اشعث وغیرہ

(۱) طبری، ج ۷ ص ۱۲۴، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۴۰
(۲) طبری، ج ۷ ص ۱۴۱-۱۴۶ (۳) اخبار الطوال، ص ۱۹۵
(۴) طبری، ج ۷ ص ۱۳۱-۱۳۶

(بقیہ۔۔۔صفحہ ۱۳ پر)

صدمہ پہنچتا ہے۔

☆ اور وہ لوگ جو صرف اپنے مفادات کے بارے میں سوچتے ہیں اور مادی وشخصی دائرے میں محدود ہو کر محفوظ ہوتے ہیں وہ انصاف نہیں کر سکتے اور دوسرے لوگوں کے لئے خوشحالی نہیں لا سکتے۔

☆ دنیا اور اہم طاقتور مراکز میں نیا نظام قائم کرنے کے لئے تیسرا ملینیم نئی کوششوں کے ساتھ شروع ہونا چاہئے۔

☆ اب سرمایہ دارانہ وامتیازی نظام اور استعماری تصورات ناکام ہو چکے ہیں، ختم ہو گئے ہیں۔ منصفانہ نظام قائم کرنے کے لئے خوشگوار تعاون سے مشترکہ شراکت داری ضرورت بن گئی ہے۔

☆ راحت، بہبود، دوستی، امن اور تحفظ کی دنیا پیدا کرنے کے لئے دنیا میں طاقت کے اہم مراکز پر سب کو مل جل کر بہترین نظام کی راہ پر گامزن ہونے کی کوشش کرنی چاہئے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب اقوام متحدہ کی دوسری دہائی کی مجوزہ تجویز ''دنیا کی مشترکہ نظام دہائی'' کی بنیاد پر تمام ممالک سرگرم اور مسلسل شراکت داری کریں۔ میں تمام سربراہوں، دانشوروں سے اپیل کرتا ہوں کہ آپسی میل جول اور باہمی غور وخوض کے توسط سے اس شاندار منصوبے کو عملی جامہ پہنانے میں کوئی کسر باقی نہ رکھیں۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ بنی نوع انسان کے تابناک مستقبل کے لئے بنیادی اصول ہے جس کا اللہ، انبیاؑ اور خدا کے نیک بندوں نے وعدہ کیا ہے۔ یہ بات اس وقت سمجھ میں آئے گی جب اس وقت کے پیغمبرؐ اور عیسیٰؑ دنیا میں تشریف لائیں گے۔ آیئے ہم سب تیسرے ملینیم کو اچھائی کے ملینیم کے طور پر منائیں جہاں انصاف کا نظم ہو اور پوری دنیا میں محبت کے ساتھ بقائے باہم کی فضا قائم ہو جائے تاکہ اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہو جائے۔

شکریہ

خدا حافظ

(بشکریہ روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' (اردو) ۱۱ر فروری ۲۰۰۱ء)



بقیہ۔۔۔۔۔ جہادِ مختارؑ

روساء اہل کوفہ ساتھ تھے۔ اس لئے خود کوفہ کے بہت سے لوگ جو دبے ہوئے تھے وہ بھی ان کا ساتھ دینے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ نیز مختارؑ کے خلاف ایک طبقہ وارانہ سوال عرب اور غیر عرب کا اٹھا دیا گیا تھا اور یہ کہہ کر کہ مختارؑ نے عجمیوں کو عربوں پر مسلط کر دیا، تمام عربوں کے جذبات کو مختارؑ کے خلاف بھڑکا دیا گیا۔[1] تاہم مختار نے اپنے پاس کے لشکر کے ساتھ کئی دن بڑی بہادری کے ساتھ مصعب سے جنگ کی جس کے دوران میں ان کے ساتھ کے کئی ممتاز سردار جیسے حمر بن شمیط اور عبداللہ بن کامل وغیرہ شہید ہو گئے۔ اس جنگ میں فوج مخالف میں سے بھی ایک شخص جو دشمنان اہلبیت میں نمایاں حیثیت رکھتا تھا۔ یعنی محمد ابن اشعث قتل ہوا۔[2]

آخر الامر مختارؑ کے تمام باوفا ساتھی شہید، عوام الناس منتشر، اور وہ خود قلعہ کے اندر محصور ہو گئے۔ پھر چند جاں بازوں کے ساتھ نکل کر انہوں نے آخری بار بڑی پامردی سے جنگ کی اور عین معرکہ جنگ میں ۱۴ر ماہِ رمضان ۶۷ھ کو سرسٹھ برس کی عمر میں جان اپنی جان آفریں کے سپرد کی۔[3]

عداوت اور قساوت کی حد یہ تھی کہ ان کے بعد ان کی بیوی عمرہ بنت نعمان بن بشیر انصاری کو بھی جنھوں نے مختارؑ کو برا کہنے سے انکار کیا مجمع عام میں قتل کیا گیا۔[4] یقیناً خوش قسمت ہے وہ انسان جو مشیت کے کسی مقصد کی تکمیل کا ذریعہ بنے۔ مختارؑ ان ہی خوش قسمت انسانوں میں تھے، ان کی ذات کے ساتھ قدرت نے اپنا ایک عملی نظام وابستہ کیا تھا اور اس نظام کی تکمیل کے ساتھ ان کی زندگی بھی ختم ہو گئی۔ اب وہ ختم نہیں ہو گی بلکہ جاودانی طور پر باقی ہے۔

''ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما''

(۱) اخبار الطوال، ص ۲۹۵ (۲) طبری، ج ۷ ص ۱۴۹-۱۴۸ (۳) طبری، ج ۱۶۱-۱۵۵۷ (۴) طبری، ص ۱۵۸ / اخبار الطوال، ص ۲۰۰